فلسفۂ حج

پروفیسر کرم حیدری

قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے :

و للہِ علی النّاس حجّ البیت من استطاع الیہ سبیلاً ۔ (سورہ آل عمران: آیت ۹۷)

یعنی اللہ کے لئے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے (اس شخص پر) جو اُس کی طرف راستہ چلنے کی طاقت رکھتا ہو۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہے :

و أتمّوا الحجّ والعمرۃ للہ ۔ (البقرہ: آیت ۱۹۶)

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کے لئے ۔

اسلام میں جتنی عبادات ہیں ان کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہیں۔ ان میں کسی طرح کی ذاتی غرض یا کسی منفعت کا خیال یا لوگوں پر اپنی پارسائی اور پرہیزگاری کے اظہار کی خواہش نہیں ہونی چاہیئے ۔ یہ خیال بھی نہ ہونا چاہیئے کہ ہم اللہ کے عبادت گذار ہیں اس لئے ہم اللہ کے مقبول بندے ہو گئے اور ہماری بخشش یقینی ہو گئی ۔ عبادت میں خلوص بنیادی چیز ہے ۔ اس کا محض اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہونا لازمی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول پاکؐ سے فرمایا ہے :

قل ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہِ ربّ العالمین ۔ (الانعام: آیت ۱۶۲)

یعنی اے رسولؐ ان سے کہہ دیں کہ میری نماز، میری قربانی، میری زندگی اور میری موت سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو تمام دنیاؤں کا پالنے والا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے :

لا شریک لہٗ و بذالک امرت و انا اوّل المسلمین ۔

یعنی وہ خدا جس کا کوئی شریک نہیں۔ (اور کہہ دیجئے) کہ مجھے اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے اور میں حکم ماننے والوں میں سب سے اوّل ہوں۔

گویا نہ صرف عبادت بلکہ قربانی اور زندگی اور موت یہ سب چیزیں اللہ کے لئے ہیں۔ اور جو حکم رسولؐ کو دیا گیا ہے وہ حکم ہر مسلمان کے لئے ہے اور رسولؐ اوّل المسلمین ہیں تو باقی سارے مسلمان اُن کی متابعت کرنے والے ہیں۔

سو ہر عبادت میں اوّلین چیز یہ ہے کہ انسان اُسے خالصتہً لوجہ اللہ بجالائے۔ اس کے بعد ہر عبادت کی بعض شرائط اور بعض خصوصیات ہیں۔ حج اسلامی عبادات میں ایک افضل عبادت ہے کیونکہ اس میں مال بھی خرچ ہوتا ہے اور جان بھی۔ جان اس طرح خرچ ہوتی ہے کہ سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ جو اگرچہ موجودہ زمانے میں کم ہو گئی ہیں لیکن نابود نہیں ہوئیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادائے حج کے لئے سب سے بڑی شرط یہ رکھی گئی ہے کہ جس کو استطاعت ہو وہ فریضۂ حج ادا کرے۔ استطاعت کے دو پہلو ہیں :

۱۔ استطاعتِ مال

۲۔ جسمانی استطاعت۔

عام طور پر لوگوں کی نگاہ استطاعتِ مال کی طرف جاتی ہے اور وہ استطاعتِ جسم کا خیال نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ملک سے لوگ عام طور پر ایسی عمر میں عزمِ حج کرتے ہیں جب اُن میں سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے کی ہی نہیں ارکانِ حج کی بجاآوری کے لئے بھی پوری سکت نہیں ہوتی۔ بلکہ بعض صورتوں میں تو بہت ضعیف اور نحیف حجاج دوسرے لوگوں کے سہارے یا پالکیوں میں بیٹھ کر ارکانِ حج پورے کرتے ہیں۔ یہ درست ہے کہ فریضۂ حج تو ادا ہو جاتا ہے لیکن اس فریضہ کی بجاآوری سے جو روحانی لذت حاصل ہونی چاہیئے وہ پوری طرح حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا ایسے لوگ جو حج کی استطاعت رکھتے ہوں اور دل میں حج کرنے کا شوق بھی ہو اُنہیں چاہیئے کہ جوانی یا زیادہ سے زیادہ ادھیڑ عمر میں ہی اس فریضہ سے سبکدوش ہونے کی کوشش کریں۔

فریضۂ حج کی خصوصیات | دوسرے مذاہب کی عبادات کے مقابلے میں اسلامی عبادات کو یہ امتیازی حیثیت حاصل ہے کہ ہر عبادت کی اپنی خصوصیات ہیں اور ان خصوصیتوں میں بڑی حکمتیں مضمر ہیں۔ فریضۂ حج کی امتیازی خصوصیات حسبِ ذیل ہیں :

۱۔ اقرارِ عبدیت۔ ۲۔ اسوۂ خلیلؑ کی پیروی۔
۳۔ اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۴۔ عبادت میں اجتماعیت۔
۵۔ اسلامی مرکزیت۔ ۶۔ لذاتِ روحانی۔

ہر شخص جو حج کا ارادہ کرتا ہے وہ سب سے پہلے اقرارِ عبدیت کرتا ہے۔ یوں تو عبدیت کا اقرار ہم نماز کی ہر رکعت میں کرتے ہیں۔ لیکن عازمِ حج ہو کر اقرار کرنے کی بات ہی کچھ اور ہے۔ خانہ کعبہ کو بیت اللہ کہا جاتا ہے اور یہ اوّلین گھر ہے جو اللہ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا۔ خدا تو ہر جگہ موجود بلکہ رگِ جاں سے بھی قریب ہے لیکن خانۂ کعبہ کو جو فضیلت حاصل ہے وہ روئے زمین پر کسی دوسرے گھر کو حاصل نہیں۔ جب بندہ اس گھر کا رُخ کرتا ہے تو وہ گویا خدا کی بارگاہ میں براہِ راست حاضری دینے کے لئے جاتا ہے اور جب وہ یہاں پہنچ جاتا ہے تو اپنی حاضری کا اعلان ان الفاظ میں کرتا ہے:

لبیک۔ اللّٰھم لبیک۔ لبیک لا شریک لک لبیک۔ ان الحمد والنعمۃ لک والملک۔ لا شریک لک۔

اور وہ اپنی حاضری کا اعلان کرتا رہتا ہے۔ اور جب بھی وہ لبیک اللّٰھم لبیک پکارتا ہے تو اُس کا دل و دماغ اس کیفیت سے سرشار ہوتا ہے کہ میں اس وقت خدائے تعالیٰ کے حضور میں ہوں۔ میں اس کی طرف متوجہ ہوں۔ وہ میری طرف متوجہ ہے۔ میں سمیع و بصیر نہیں لیکن وہ سمیع بھی ہے اور بصیر بھی۔ میں اُسے ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ ان ظاہری کانوں سے نہیں سُن سکتا لیکن وہ تو مجھے دیکھ بھی رہا ہے اور میری ان صداؤں تک کو سن رہا ہے جو میرے دل سے اُٹھتی ہیں لیکن لبوں تک نہیں آتیں۔ اور وہ بالکل اُس کے حضور میں ہونے کے احساس سے پھر پکار اُٹھتا ہے کہ لبیک اللّٰھم لبیک۔

حج کی دوسری بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ہر مسلمان اسوۂ خلیل کی پیروی کرتا ہے۔ یوں تو دنیا میں جتنے انبیائے کرام تشریف لاتے رہے وہ لوگوں کو اللہ کی اطاعت کی طرف ہی بلاتے رہے لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام انبیاء میں ایک بلند مقام رکھتے ہیں اور انہوں نے توحیدِ خداوندی کی طرف لوگوں کو بلانے میں بڑی استقامت اور ثابت قدمی سے کام لیا ہے۔ ان کو تبلیغِ توحید میں مصائب بھی اُٹھانے پڑے اور اُن کے ایمان و ایقان میں پختگی اور استحکام پیدا کرنے

کے لئے ان کی سخت آزمائشیں بھی ہوئیں اور وہ ان آزمائشوں میں پورے بھی اُترے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ:

واذا ابتلیٰ ابراھیم ربہ بکلمٰتٍ فأتمھن۔ (البقرہ: آیت ۱۲۴)

اور (یاد کریں) جب اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے احکام سے آزمائش میں ڈالا اور اُنہوں نے ان کو پورا کیا۔

تو اِن احکام کی تعمیل کرنے اور آزمائشوں میں پورا اترنے کے بعد انہیں یہ مقام نصیب ہُوا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے فرمایا:

قال انی جاعلك للناس اماماً۔

کہ میں آپ کو لوگوں کے لئے امام (سردار اور رہنما) بنا رہا ہوں۔

اور اس امامت اور سرداری کی بدولت جو سب سے بڑی سعادت نصیب ہوئی وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنے بیٹے کی مدد سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی اور تعمیر کرنے کے بعد دعا کی کہ اے ہمارے رب ہماری طرف سے یہ خدمت قبول فرما۔ اور پھر دعا کی:

ربنا واجعلنا مسلمین لك ومن ذریتنا امةً مسلمةً لك وأرنا مناسكنا وتب علینا إنك أنت التواب الرحیم۔ (البقرہ: آیت ۱۲۸)

اے ہمارے رب ہمیں اپنے ماننے والے بنا اور ہماری اولاد میں سے ایسی اُمت پیدا کر جو تیری ماننے والی ہو اور ہمیں اپنی عبادت (حج) کے طریقے سکھا اور ہماری توبہ قبول فرما کیوں کہ تو ہی سب سے بڑا توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

قرآن حکیم کے فرمودات کے مطابق اُمتِ مسلمہ حقیقت میں حضرت ابراہیم خلیلؑ کی پیرو ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کی بہت سی عبادات جن میں سے ایک عبادت حج ہے اپنے پورے مناسک کے ساتھ اسلامی عبادات میں شامل ہیں۔ جس طرح آج سے ہزاروں سال پہلے حضرت ابراہیمؑ نے طوافِ کعبہ کیا۔ قربانی دی۔ اور حضرت اسماعیلؑ نے شیطان کو کنکریاں ماریں اور حضرت ابراہیمؑ کی زوجۂ محترمہ نے صفا اور مروہ کے درمیان عالمِ بے قراری میں سات چکر لگائے۔ اُسی طریق کار پر تمام حجاج بھی عمل کرتے ہیں۔ یہ گویا اسوۂ خلیلؑ کی پیروی ہے جس سے دینِ اسلام کی ہزارھا سالوں کی روایات

زندہ اور جاری ہیں۔

حج کی تیسری امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت گذاری ہوتی ہے۔ آنحضورؐ خود بہ نفسِ نفیس حج کے مناسک ادا کرتے رہے اور اسی طرح ادا کرتے رہے جس طرح حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام، حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کی اولاد جو دینِ اسلام پر قائم رہی ادا کرتی رہی۔ سنتِ رسولؐ کا اتباع بہت بڑی سعادت ہے اور جو مسلمان اس سے اغماض یا پہلوتہی کرتا ہے وہ گناہ گار ہے اور جو سنتِ رسولؐ سے انکار کرتا ہے اُس کی بدبختی کا تو کوئی ٹھکانا ہی نہیں۔ قرآن حکیم میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ اے مسلمانو! تمہارے لئے رسول پاکؐ کی ذات اسوۂ حسنہ کی حامل ہے۔ اطاعتِ رسولؐ کی اتنی تاکید کی گئی ہے کہ جہاں کہیں اطیعو اللہ کا حکم آیا ہے وہیں ساتھ ہی اطیعوا الرسول کا ارشاد بھی موجود ہے۔ بلکہ یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو رسولؐ کا اتباع کرو تاکہ اللہ تمہارے ساتھ محبت کرے۔ یعنی رسولؐ کی اطاعت کرنے والے سے اللہ محبت کرتا ہے۔ فریضۂ حج کی بجاآوری اتباعِ رسولؐ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کرنے کا ایک بڑا ذریعہ۔

بعض مذاہب جن کی تعلیمات اپنی ابتدائی شکل و صورت سے ہٹ چکی ہیں یا جو ایسے مفکرین کے ذہن کی پیداوار ہیں جنہیں وحیِ آسمانی کی رہنمائی حاصل نہیں تھی، اُن میں عبادات کی حیثیت انفرادی ہوگئی ہے اجتماعی نہیں رہی۔ ایسے مذاہب کے مبلّغین کہتے ہیں کہ عبادت فرد اور خدا کے باہمی تعلق کا نام ہے۔ عقیدہ اور مذہب ایک نجی چیز ہے۔ ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ خدا کی ذات کا جیسا تصور اس کے ذہن میں ہو ویسا ہی رکھے اور خدا کے ساتھ اپنے تعلق کو جس طریقے سے استوار کرنا چاہے استوار کرے۔ کسی دوسرے کو اس کے تصور یا اس کے عمل میں دخل انداز ہونے کا حق نہیں۔ بعض مذاہب تو دھیان گیان کے لئے جنگلوں میں نکل جانے کو افضل ترین عبادت سمجھتے ہیں۔ بعض کے ہاں رہبانیت ہی دین کا منتہائے مقصد ہے۔ بعض لوگوں کے ہاں عبادت میں اجتماعیت تو ہے لیکن یہ اجتماعیت محض مل کر چند گیت گا لینے تک محدود ہے۔ اسلام کی کسی عبادت میں انفرادیت نہیں۔ بلکہ اگر کوئی عبادت انفرادی طور پر بھی ممکن ہے تو اجتماعی صورت میں اس کی افادیت زیادہ اور اس کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ مثال کے طور پر نماز اپنے گھر میں یا بستی سے دور کسی ویرانے میں یا حالتِ سفر میں انفرادی طور

پر ادا کی جا سکتی ہے۔ لیکن اس کا ثواب اُسی صورت میں زیادہ ہے جب جماعت کے ساتھ مسجد میں ادا کی جائے اور جب جامع مسجد میں ادا کی جائے تو اس کا ثواب اور بھی زیادہ ہوتا ہے۔ پھر بعض نمازیں ایسی ہیں مثلاً نماز جمعہ یا عیدین کی نمازیں کہ انفرادی طور پر اُن کے ادا ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نماز با جماعت کے متعلق قرآن حکیم میں واضح ارشادات موجود ہیں۔ مثلاً سورۃ البقرہ کی تینتالیسویں آیت اس طرح سے ہے کہ :

واقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ وارکعوا مع الراکعین۔

اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو یعنی نماز با جماعت ادا کرو۔

خود ہر نماز میں ہر رکعت کے اندر دہرائی جانے والی سورۃ فاتحہ کا انداز اجتماعی ہے۔ جہاں ہر بار یہ کہا جاتا ہے کہ "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا اُن لوگوں کا راستہ جن کو تو نے انعام سے نوازا ہے ان لوگوں کا نہیں جن پر تو نے غضب نازل کیا ہے اور نہ گمراہوں کا راستہ"

بعض عبادات ایسی ہیں کہ جو بظاہر انفرادی انداز کی حامل ہیں لیکن حقیقتاً اُن کی روح اجتماعی ہے۔ مثلاً روزہ کہ سوائے روزہ رکھنے والے اور اللہ تعالیٰ کے کسی تیسرے شخص کو پتا نہیں چل سکتا کہ فلاں شخص روزے سے ہے یا نہیں۔ لیکن روزے کی روح یہ ہے کہ تمام قوم اکل و شرب اور لذات سے صبر کرتی ہے اور معیّنہ اوقات کے لئے ہر قسم کی خواہشات سے کنارہ کشی کو اپنا شعار بناتی ہے۔ ایک روزہ دار کی مثال اُس سے ملنے جُلنے والے سینکڑوں بلکہ ہزاروں افراد کو ایسے ہی صبر و ضبط کی طرف مائل کرتی ہے اور اس طرح قوم کے اندر اجتماعی طور پر صبر و ضبط کی خوبیاں پیدا ہوتی ہیں جس سے قرآن حکیم کے اس ارشاد کی عملی طور پر اطاعت ہوتی ہے کہ یا ایھا الذین اٰمنوا صبروا و صابروا و رابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔ (آل عمران : آیہ ۲۰۰)

نماز اور روزے کے علاوہ زکوٰۃ بھی ایک ایسا عمل ہے کہ انفرادی طور پر سرانجام دیا جا سکتا ہے۔ اور جہاں تک ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کا تعلق ہے کوئی فرد اپنے طور پر غریبوں، مسکینوں اور مستحقین کو زکوٰۃ دے کر اپنے فرض سے سبکدوش ہو سکتا ہے۔ لیکن اس انداز میں

ادائے زکوٰۃ قوم کے اندر کوئی اجتماعی خیر و فلاح پیدا نہیں کر سکتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ غریب لوگوں کے پیٹ بھر جاتے ہیں اور کچھ مسکینوں کے تن ڈھک جاتے ہیں۔ معاشرے کی اجتماعی فلاح بہبود بلکہ کاروبارِ حکومت کی سرانجام دہی کے لئے ضروری ہے کہ زکوٰۃ اجتماعی طور پر جمع کی جائے اور اسے جمع کرنے کے لئے بیت المال قائم کیا جائے۔ رسول پاکؐ نے خود مدینہ طیبہ میں جو مثالی اسلامی معاشرہ قائم فرمایا اُس میں زکوٰۃ کی فراہمی اجتماعی فلاح و بہبود کے لئے کی۔ بیت المال قائم فرمایا اور اس کی نگرانی اور اس سے مختلف امورِ سلطنت کے لئے روپیہ خرچ کرنے کے لئے نہایت سخت قوانین مرتب فرمائے۔ اگر انفرادی طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی کی کوئی فلاحی افادیت بلکہ حیثیت ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ یہ نہ فرماتے کہ خدا کی قسم اگر کسی پر زکوٰۃ کے طور پر رسّی کا ایک ٹکڑا بھی واجب الادا ہوگا تو میں اُسے وصول کر کے چھوڑوں گا۔ اگر زکوٰۃ محض ایک انفرادی نیکی ہوتی تو اللہ کا حکم تو ادائے زکوٰۃ کے لئے موجود تھا۔ اور ذاتی فریضہ پورا نہ کر سکنے کی صورت میں وہ عاقبت میں سزا کا مستحق ہوتا۔

اور حج تو ایسا عمل ہے ہی نہیں کہ کوئی شخص انفرادی طور پر اسے سرانجام دے سکے۔ حج کے تمام مناسک ابتدا سے لے کر انتہا تک اجتماعیت کی روح کے حامل ہیں۔ خانہ کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے تو مل کر۔ نمازیں ادا کی جاتی ہیں تو اکٹھی۔ عرفات میں وقوف اور مزدلفہ میں قیام کیا جاتا ہے تو ایک وقت۔ شیطان کو کنکریاں ماری جاتی ہیں تو ایک ہی وقت میں۔ حتیٰ کہ تلبیہ یعنی لبیک اللّٰھم لبیک پڑھا جاتا ہے تو مل کر۔

حج کی اجتماعیت سے اسلامی مرکزیت کو تقویت پہنچتی ہے اور مسلمانوں کی اجتماعی شان و شوکت کے روح پرور مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ اسلامی مساوات کا عملی نمونہ بھی حج کے موقع پر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ جب گورے اور کالے، سانولے اور زرد فام، مختلف زبانیں بولنے والے مختلف لباس پہننے والے، مختلف انداز میں رہنے سہنے والے سب ہم دست، ہم دوش اور ہم لباس حرم کعبہ میں اور حرم سے باہر مناسک حج میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اس وقت سب کا لباس ہی ایک جیسا نہیں ہوتا سب کے دل، سب کے ذہن، سب کے ضمیر ایک جیسے ہوتے ہیں۔ اور سب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یک زبان ہو کر لبیک اللّٰھم لبیک کہتے

سنائی دیتے ہیں۔ سب ایک ہی انداز میں اللہ تعالیٰ کی تمجید اور تحمید میں مصروف ہوتے ہیں۔ ان زائرین میں بادشاہ بھی ہوتے ہیں اور درویش بھی، غنی بھی ہوتے ہیں اور فقیر بھی، بڑے بھی ہوتے ہیں اور چھوٹے بھی، عالم بھی ہوتے ہیں اور جاہل بھی، ارباب اقتدار و اختیار بھی ہوتے ہیں اور بے یار و مددگار بھی۔ لیکن سب کے سب ایک ہی کیفیت میں ڈوبے ہوئے، ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ایک ہی نشے سے سرشار اور ایک ہی منزل کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اس وقت کوئی بڑا نہیں ہوتا اور کوئی چھوٹا نہیں ہوتا۔ کوئی تونگر نہیں ہوتا اور کوئی فقیر نہیں ہوتا، کوئی بادشاہ نہیں ہوتا اور کوئی گداگر نہیں ہوتا۔ کوئی اعلیٰ نہیں ہوتا اور کوئی ادنیٰ نہیں ہوتا۔ سب ایک ہی جذبے میں سموئے ہوئے اور ایک ہی سلسلۂ اخوت میں پروئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے وہ ارشادات مجسم صورت میں نظر آتے ہیں جن میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ گورے کو کالے پر اور عربی کو عجمی پر کوئی فوقیت نہیں۔ تم سب آدم کی اولاد میں سے ہو، اور آدم مٹی سے بنے ہوئے تھے۔

اسلام کی یہی مرکزیت ہے جس سے دشمنانِ اسلام ہمیشہ خائف رہے ہیں اور اسی مرکزیت کو توڑنے اور مسلمانوں کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے لئے وہ ظہورِ اسلام کے وقت سے لے کر اب تک اور اب سے آگے ابد تک مصروف رہے ہیں اور مصروف رہیں گے۔ لیکن خدا کے فضل و کرم سے اور رحمۃ اللعالمین کی دعاؤں کے صدقے نہ وہ اس سے پہلے کبھی اپنے مذموم ارادوں میں کامیاب ہو سکے ہیں نہ آئندہ کبھی ہو سکیں گے۔

ان برکتوں اور سعادتوں کے علاوہ حج سے مسلمانوں کو سب سے بڑی برکت اور سعادت یہ حاصل ہوتی ہے کہ وہ روحانی لذات سے شادکام ہوتے ہیں۔ ایسی روحانی لذات جنہیں صرف روح ہی محسوس کر سکتی ہے اور جن سے صرف روح ہی محظوظ ہوتی ہے۔ زبان کو یارا نہیں کہ ان روحانی لذات کو بیان کر سکے اور ذہن میں اتنی وسعت نہیں کہ ان لذتوں کا احاطہ کر سکے۔ یہ لذتیں صرف قلب و روح سے تعلق رکھتی ہیں اور صرف قلب و روح ہی انہیں سمجھ سکتے ہیں۔

فریضۂ حج اگر صحیح جذبے اور مومنانہ تقوے کے ساتھ سرانجام دیا جائے تو وہ انسان کی شخصیت کو باطنی صفائی اور پاکیزگی عطا کرتا ہے۔ حج کے دوران صرف فسق و فجور اور جدال و قتال ہی سے

کنارہ کش نہیں ہونا پڑتا بلکہ جائز جسمانی لذتوں کو بھی ترک کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ ارشاد باری ہے کہ:

فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔

حج کے دوران نہ بیویوں سے قربت جائز ہے نہ گناہ کے کام کیے جائیں نہ لڑائی جھگڑا۔

اور پھر:

وما تفعلوا من خیر یعلمہ اللہ۔

اور جو کچھ نیکی کے کام تم کرتے ہو اللہ ان کو جانتا ہے۔

اور بالآخر زادِ راہ کے ضمن میں فرمایا گیا ہے کہ:

وتزودوا فان خیر الزاد التقوٰی۔

اور زادِ راہ لے لیا کرو۔ پس بہترین زادِ راہ تو تقوےٰ ہے۔